بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آخر وفاقی کونسل بن گئی اور اس کا پہلا اجلاس منعقد ہو چکا۔ اب جب کہ ایک ادارہ نمودار ہو گیا ہے تو اختلاف رکھنے کے باوجود دعا کرنی چاہیے کہ خدا اسے ملک و ملت کے لیے ذریعۂ خیر بنائے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ اس پر مجلس شوریٰ کی خالص اسلامی اصطلاح کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ فی الحقیقت اس کا نقشہ کار وہ نہیں ہے جو مجلس شوریٰ کا ہونا چاہیے۔ مجلس شوریٰ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی خود تجویز کردہ معیار پر کچھ "اچھے" لوگوں کو جمع کر لیا جائے۔ اور ان کا کام یہ ہو کہ وہ اپنی سفارشات حکمران طبقے کے سامنے رکھ دیا کریں۔ جو کسی بات کو مناسب سمجھے تو اختیار کر لے اور مناسب نہ سمجھے تو اسے مسترد کر دے۔ اسلامی شورائیت کا یہ تصور جو پچھلے سال دو سال میں ابھرا ہے، بعض علماء اور حکام اور دانشوروں کی شدید ذہنی الجھنوں کا آئینہ دار ہے۔

اوّل تو اسلام میں مناصب (خصوصاً جن کا تعلق اقتدار یا نمائندگی سے ہو) کے لیے ایک جانا پہچانا متعین معیار ہے جس کے کچھ جانے پہچانے تقاضے ہیں۔ پابندی عبادات، حرام معاش اور مشاغل سے اجتناب، علم و بصیرت جس کا ایک پہلو دین کا شعور چاہتا ہے اور دوسرا پہلو موجودہ دنیا کے نظریات و تجربات، جدید ادارات، خارجی سیاست کی پیچیدگیوں اور داخلی ملکی مسائل کی الجھنوں کے فہم پر مشتمل ہوتا ہے، پھر دیانت اور عدل وہ لازمی شرائط ہیں جن کو پورا کیے بغیر کوئی آدمی اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کا وہ حصہ کما حقہ ادا نہیں کر سکتا جو اس سے متعلق ہو۔

دوسرے یہ ضروری ہے کہ اس معیار پر جانچ پرکھ محض درون خانہ عمل میں آ کر فیصلے ہی تیار نہ ہو گئی ہوں، بلکہ یہ امر ضروری ہے کہ ارکانِ شوریٰ کے ایمان، علم اور کردار پر عوام کا اعتماد واضح طور

پر معلوم ہو کہ فلاں آدمی کو ملک بھر میں، یا کسی صوبے میں یا کم سے کم کسی خاص حلقۂ آبادی میں قیادت یا رائے دہی کا اہل سمجھا جاتا ہے اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس کے گرد جمع ہوتی ہے۔

تیسری شے یہ لازم ہے کہ مجلس شوریٰ کی رائیں اور فیصلے کسی فردِ واحد یا کسی وزارت یا پس پردہ کام کرنے والی مجلس سے بالاتر ہوں۔ مغربی جمہوریت کی مخالفت میں یہ غلط خیال پھیلا دیا گیا ہے کہ وقت کے حکمران عوام کی آرا کو جانے بغیر جن لوگوں کو بھی چاہیں، مشاورت کے لیے پسند کر لیں اور پھر اُن کے فیصلوں کو چاہیں تو قبول کریں اور چاہیں تو قبول نہ کریں۔

مجلس شوریٰ کا ایسا تصور نہ دورِ سعادت میں موجود رہا ہے (جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مقرر کردہ حاکم تھے اور اُن پر براہ راست وحی آتی تھی۔) اور نہ دورِ خلافتِ راشدہ میں۔ حضورؐ نے غزوۂ بدر، احد اور احزاب میں اپنے اہلِ شوریٰ کے مشوروں کو قبول کیا اور اپنی جداگانہ ذاتی رائے پر عمل نہیں کیا، ماسوا ایسے اُمور کے جن کے لیے آپؐ نے خدا تعالیٰ کے القا کردہ کسی امر یا اپنے پیغمبرانہ مرتبے کے کسی لازم تقاضے کا اجرا فرمایا۔ اتفاق سے ترجمان القرآن میں اسلام کے شورائی نظام پر ایک اچھا مقالہ شائع ہو رہا ہے جس کی ایک قسط اس مرتبہ بھی پیش کی جا رہی ہے۔ ہمارے نزدیک اُن مفسرین و شارحین نے حکم کو صحیح سمجھا جنھوں نے اہل شوریٰ کے مشوروں کی پابندی کو مسلم حکمرانوں پر از روئے قرآن لازم قرار دیا ہے۔ امر واقعہ بھی یہ ہے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے اپنی مجالسِ شوریٰ کے فیصلوں (یا غالب رایوں) کے مقابلے میں کبھی راہِ تفرد اختیار نہیں کی۔ بلکہ جن واقعات کو غلطی سے لوگ اس امر کی نظیر بتاتے ہیں کہ خلفائے راشدین نے مشورہ تو لے لیا، مگر اقدام اپنی مرضی سے کیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ مثال کے طور پر سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف فوجی کارروائی کا جو فیصلہ کیا یا عراق کی زمینوں کے بارے میں سیدنا عمر فاروقؓ نے جو حل نکالا، ان مواقع پر انھوں نے اپنے دلائل کے زور سے اہلِ شوریٰ کو اُس نقطۂ نظر کا قائل کر لیا جسے وہ صحیح سمجھتے تھے۔ اگر مجلسِ شوریٰ سے ہم آہنگی لازم نہ ہوتی تو آخر کیوں حضرت عمرؓ عراقی زمینوں کے متعلق بحث کو لمبے وقت تک جاری رکھتے۔ وہ دوسروں کی باتیں سن کر آخر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ حضرات! آپ سے ہم نے مشورہ لے لیا اور رائیں یا سفارشیں حاصل کر لیں۔ اب آپ تشریف لے جائیں، ہم اپنا فیصلہ نافذ کر لیں گے۔ یہ تو سیدھی صاف سڑک آمریت و استبداد کی طرف جاتی ہے

جس سے نجات پانے کا کوئی راستہ بھی نہیں رہتا۔

تو ہمارے مطالعہ کی رُو سے یہ بات حتمی ہے کہ حکمران اور مجلس شوریٰ مل کر حکومت کا نظام چلاتے ہیں اور مجلس شوریٰ کے فیصلوں سے انحراف کر کے اپنے ذاتی نقشوں کے مطابق حکام کو اقدام کرنے کا حق نہیں ہے۔

آج جب کہ اسلامی نظام کا ابتدائی ڈھانچہ بھی ابھی نہیں بنا اور اس کے متعلقہ لوازم پورے نہیں ہوئے۔ اوّل تو مجلس شوریٰ کا بیچ میں نمودار ہو جانا قابل فہم نہیں ہے اور اگر ایسا ہو بھی تو کم سے کم مذکورہ تین وجوہ سے وفاقی مجلس کے لیے مجلس شوریٰ کی اصطلاح کا استعمال خود اسلام کے لیے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ جعلی عنوانات اگر اسلامی لگا دیے جائیں اور اُن کے نیچے مضمون اور نفس معنیٰ عنوانات کے مطابق نہ ہو تو اس سے اسلامی اصطلاحات کی قدر و قیمت تباہ ہو جائے گی۔ کسی بھی اسلامی اصطلاح کو اسی وقت استعمال کیا جائے جب اسلامی ادارات کی صحیح تشکیل کا سامان ہو جائے۔

یہ حقیقت رازدارانہ نوعیت کی ہے کہ نامزدگیوں کے معیارات کیا ہیں؟

لوگوں کو ایک عرصہ پہلے سے یہ یقین دلایا جاتا رہا ہے کہ اسلامی ذہن کے بہت ہی صاف ستھرے کردار کے لوگ، جو دیانت و قابلیت سے بھی آراستہ ہوں، کونسل میں لائے جا رہے ہوں۔

اب جب کہ ڈرامے کے سارے کردار نا ٹیلوں کے پردے کے پیچھے سے نکل کر اسٹیج پر آگئے ہیں، عجیب و غریب باتیں واضح ہوتی ہیں۔

خاصی تعداد میں وفاقی کونسل کے لیے نامزدگیاں پرانے جاگیردار خاندانوں کے حلقے سے کی گئی ہیں۔ جن کے افراد پہلے بھی ہر دور میں لیڈری اور نمائندگی اور وزارتی "خدمات" کرتے رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس انسانی برتری سے جس طرح انگریزی اور سکندر حیاتی دور میں، یا ایوبی اور یحییٰ دور میں خادمانِ قوم ملتے رہے ہیں، اسلامی دور کے اہلِ شوریٰ کی فراہمی بھی جاری رہے۔

وفاقی کونسل کے ارکان میں پارٹیوں کی نسبت کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو دو ہی گروہوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ ایک مسلم لیگ، دوسرے پیپلز پارٹی۔ مسلم لیگ پر کوئی تنقید مطلوب نہیں، اگر یہاں محض

حالات کو سمجھنے کے لیے ہم یہ کہنا چاہیے ہیں کہ اس محبِ پاکستان جماعت کے افراد میں نہ سیاسی یک جہتی ہے اور نہ کسی طرح متعین پروگرام کا کوئی تصوّر پایا جاتا ہے۔ بکھرے ہوئے افراد اور ٹولیاں ہیں جنہیں کوئی مفاد یا مخالفانہ حملہ وقتی طور پر متحد کر سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل پیپلز پارٹی کے لوگ اوّل تو ایوان کی ایک تہائی نشستوں پر قابض ہیں، دوسرے ان میں بزعمِ خویش "عوام دوست" ہونے کا رشتہ موجود ہے۔ فی الحال تو یہ گروہ دم بخود ہونے پر مجبور ہے لیکن آگے چل کر یہ کیا گل کھلائے گا، کسی کو اندازہ نہیں، مگر پھر بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کونسل میں پیپلز پارٹی کے حلقے سے آنے والوں میں وہ بھی ہیں جنہیں پچھلے کارناموں کے تحت موجودہ حکومت نے قابلِ احتساب گردانا تھا۔ پھر وہ بھی ہیں جن کو سات سال کے لیے انتخابات سے محروم قرار دیا گیا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ محروم تو انتخابات سے قرار دیا گیا تھا، غیر انتخابی مجلس میں نامزدگی پر کیا اعتراض۔ اعتراض کی کیا مجال، مگر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انتخاب سے محروم قرار دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کردار کے لحاظ سے اس قابل نہیں ہے کہ وہ حکومت و نیابت کے دروبست میں آئے۔ مگر نیرنگیٔ ایام ہے کہ ایسے اصحاب اسلامی نظام کی طرف حکومت کے پیش قدمی میں تعاون کرنے کے لیے وفاقی کونسل میں لائے گئے ہیں جسے سرکاری طور پر "مجلسِ شوریٰ" بھی کہا گیا ہے۔

ایسے حضرات بھی ہیں جو سرے سے یہی نہیں جانتے کہ نقطۂ استحقاق کیا ہوتا ہے اور تحریکِ التوا کیا معنی رکھتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اٹھ کر یہ کہے کہ صاحبان! یہ نکتۂ استحقاق اور تحریکِ التوا وغیرہ کے طریقے مغربی جمہوریت سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ہم اسلامی حکومت اور اسلامی ایوان میں ان چیزوں کا جاری رکھنا صحیح نہیں سمجھتے۔ ابھی تو اور بہت سی چیزیں ہیں جن کے بارے میں "مغربی جمہوریت" کے نئے مخالفین سخت اُلجھیں گے۔ معلوم نہیں کل کوئی واعظ و فقیہہ یہ بھی کہے کہ "مجلسِ شوریٰ" کا اجلاس تو لازماً مسجد میں ہونا چاہیے، یہ "ایوان" وغیرہ کا سلسلہ تو مغرب کی کافرانہ جمہوریت کا ہے۔ بہرحال یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا، کہنا یہ تھا کہ بعض حضرات کوچۂ سیاست سے نابلد ہیں۔ کیوں نہ ہو جب سیاست ایک مکروہ عمل قرار پا چکی ہے اور آج دنیا جہان کی خرابیوں کی ذمہ داری سیاست والوں کے سر ہے، لہٰذا وفاقی کونسل میں سیاست نا آشنا حضرات کو آنا چاہیے تھا۔ لیکن تضاد یہ ہے کہ کونسل میں سیاست کی کوچۂ ملامت کی سیرگشت کرنے کے مشاق بھی موجود ہیں۔

تصویر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اختصاصی پیشوں والے بعض ایسے اصحاب بھی نامزد ہوئے ہیں جن کی یک رنگ مصروفیات نے انہیں کبھی موقع ہی نہیں دیا کہ وہ عالمی اور ملکی سیاسیات کا مطالعہ کر سکیں یا عوام میں چل پھر کر اُن کے مسائل و مشکلات کو معلوم کر سکیں یا کچھ اُن کی ذہنی تربیت اور تنظیم کر سکیں نہ انہیں اس کا تجربہ کہ وہ عوام کی نمائندگی کریں، نہ اُن کو مشق کہ وہ حکومتی فیصلوں کو لے کر اُن تک جائیں اور اُن کے اندر حامیانہ یا ناموافقانہ رجحانات پیدا کر سکیں۔

اصلاً سیاست ایک ہمہ وقتی کام ہے اور اس کا بڑا حصہ تعلیم و تنظیم عوام پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو لوگ برسوں اس ہمہ وقتی کام میں پڑتے ہیں، وہ خود بھی اس کام کے ذریعے اپنی تعمیر کرتے ہیں۔ سیاسی لوگ مجمعوں میں جاتے ہیں، کبھی نعرے سنتے ہیں اور کبھی گالیاں کھاتے ہیں، اختلافی بحثوں کے جواب دیتے ہیں، پریس کانفرنسوں کا سامنا کرتے ہیں، کبھی لاٹھیاں کھاتے اور جیل جاتے ہیں۔ اس طویل اور کٹھن جادۂ عشق پر چل کر کام کے آدمی تیار ہوتے ہیں۔ یہ درست کہ کچھ لوگ غلط نظریات یا غلط مقاصد کے لیے کام کرتے ہیں، مگر صحیح نظریات اور صحیح مقاصد کے لیے بھی کام کرنے کا راستہ یہی ہے۔

بخلاف اس کے جو شخص عمر بھر کسی چار دیواری میں بیٹھ کر درس دیتا رہا ہو، میڈیکل پریکٹس میں مصروف رہا ہو یا کسی کارخانے میں مشین ورکر ہو، اچھا زراعت کار ہو، اس نے اگر سیاست کے سمندر میں اُتر کر کبھی تھپیڑے نہ کھائے ہوں تو وہ عوام کی نیابت کیا کرے گا اور حکومت کو مشورے کیا دے گا۔

مختصر یہ کہ وفاقی کونسل کی ہیئتِ ترکیبی کا یہ بھی ایک پہلو ہے۔

وفاقی کونسل کے پہلے اجلاس ہی سے اندازہ ہو گیا ہے کہ اب سیاست کا کواڑ کسی قدر کھل گیا ہے، سوالات اُٹھائے جانے لگے ہیں، شکایات پیش کی جانے لگی ہیں۔ وزراء کسی نہ کسی طرح کے ایک ایوان میں سوالوں کے جواب میں وضاحتیں کرنے لگے ہیں اور حکومتی کاموں میں دھیمی دھیمی تنقید ہونے لگی ہے۔ کارروائی پریس میں بھی آنے لگی ہے، کیونکہ سنسر اُٹھ چکا ہے۔

اہلِ حکومت نے وفاقی کونسل کو جس دائرے میں رکھنا چاہا تھا، شاید یہ اس دائرے میں محدود نہیں رہے گی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جہاں کہیں سیاسی سناٹا ہو، وہاں اگر آپ انسانوں کی ایک بڑی تعداد

کو جمع کر کے اُن کو بولنے کا اذن دے دیں تو ملک بھر میں رُکی ہوئی بھاپ کسی نہ کسی طرح نکلے گی۔ دوسری یہ کہ جو لوگ ایوان میں پہنچے ہیں اُن میں تھوڑے سے اہلِ اخلاص اپنے خلوص سے مجبور ہیں کہ جن احساسات کو وہ اپنے چاروں طرف رچا بسا دیکھتے ہیں اور اُن سے متاثر بھی ہوتے ہیں، اُن کو بیان کریں، سب سے ارباب مفاد سو اُن کو اپنے حلقہ ہائے ربط کے عوام میں اپنے نمبر بھی بنانے ہیں تاکہ انتخابات کے انعقاد سے پہلے پہلے وہ اپنے آپ کو امیدواری کا مستحق بنا لیں اور لوگوں کے کچھ کام وام کرا کے انتخابی معرکہ جیتنے کی تیاری کر لیں۔

اعزاز والے لوگ بھی ابھی سے بڑی امیدوں کے ساتھ نوکریوں، تبادلوں، مقدموں کے لیے اور بجلی لگوانے اور پاسپورٹ حاصل کرنے کے لیے اُن تک پہنچیں گے۔ وہ عرض مندوں کو لوٹا نہیں سکیں گے۔ اُن کے معاملات و شکایات کو انہیں ایوان تک اور سرکاری دفتروں اور محکموں تک لے جانا ہوگا۔

ارکان پر یقیناً ایک تو اس احساس کا دباؤ ہوگا کہ وہ لوگوں کی طرف سے منتخب شدہ نہیں ہیں، بلکہ نامزد ہیں، دوسرے یہ کہ اصل مقصود تو جمہوری نظام کی بحالی اور انتخابات کی تیاری ہے۔ بیچ میں اُن کا دَور عبوری دَور ہے، بلکہ تیسرا احساس یہ بھی ہوگا کہ ہمارا مقام تو صرف رائے اور مشورہ دینا ہے، اب یہ تو کارپردازوں کی حکمت پر موقوف ہے کہ کس بات کو پسند کر لیتے ہیں اور کسے ناپسند۔

یہ سارے دباؤ ایسے ہیں کہ جن کے زیرِ اثر شرکائے ایوان میں یہ رجحان پیدا ہوتا ہے کہ انہیں کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا ہے۔

دوسری طرف کشمکش یہ بھی ہے کہ حکومت نے ان کو نامزد کر کے ان کا مرتبہ بڑھایا ہے اور پھر آمدنی اور مراعات سے نوازا ہے۔ نیز انہیں حکومتی اداروں میں گھسنے اور کام کرانے کا موقع مل رہا ہے۔ لہٰذا وہ پوری طرح سرکشی بھی نہیں کر سکتے۔

پھر بھی ایوان میں جمہوری فضا کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے، جس کے لیے برسوں کی روایات و عادات بھی کام کر رہی ہیں۔

عین ممکن ہے کہ وفاقی کونسل سے کوئی ایسا ماحصل سامنے آئے جسے سوچنے والوں نے ہرگز نہ سوچا ہو۔

بڑی مبارک بات ہوئی کہ وفاقی کونسل میں اسلامی نظام کو قائم و جاری کرنے کے لیے قرارداد

پاس ہوئی۔ اس قرارداد کا وجود ایک دلیل ہے اس بات پر کہ پاکستان کے مقصدِ وجود اور قوم کے اجتماعی رجحانات کے مطابق موجودہ پیچیدگی احوال میں بھی ہمارے نامزد و غیر سیاسی " نمائندے " تک نظام اسلام پر نگاہیں مرتکز رکھتے ہیں۔ لادینیت پسندوں کو عبوری دور کے غیر انتخابی ایوان نے بھی مایوس کیا ہے۔

ہم اس قرارداد کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں، اور اس بات کے آرزومند ہیں کہ ایک طرف اسلامی کونسل اسلام کے اہم تقاضوں کو جلد سے جلد حکومتی پالیسیوں اور قوانین کا درجہ دلوانے کے لیے اپنا کام کرے اور بیوروکریسی اس مقصد کو حاصل کرنے میں قوم کی راہ میں اڑنگے نہ لگائے۔ ساتھ ہی ہم وفاقی کونسل سے توقع کرتے ہیں کہ وہ خواجہ صفدر صاحب کی اچھی امیدوں کے مطابق اپنے آئندہ اجلاس میں جمہوری و انتخابی عمل کی بحالی کی سڑک ہموار کرے تاکہ اسلامی نظام کا قافلہ بخیریت اس سے گزر کر ایوانِ اقتدار تک پہنچے۔ درمیان میں پہاڑیاں اور کھائیاں حائل نہ رہیں۔

وفاقی کونسل کا ایک ردِ عمل سیاسی جماعتوں اور نیم سیاسی مذہبی گروہوں میں بھی نمودار ہو رہا ہے۔ یعنی ایک بار پھر اتحاد کے چرچے ہیں۔ اور کچھ ہلچل سی محسوس ہوتی ہے۔

لیکن ابتدائی طور پر جو طرزِ فکر اور انداز و اطوار سامنے آئے ہیں وہ کچی کچی آرا اور بکھرے بکھرے نقطہ ہائے نظر کے ترجمان ہیں۔ پھر اس اتحاد کا قیام وہ لوگ کرنے چلے ہیں جن کا اصل ذوق " اختلاف " ہے۔ اور وہ بھی نفرت آمیز۔ بات بات پر جھمیلے اٹھانا، ٹکراؤ پیدا کرنا، اپنی ہی صفوں کے ٹکڑے اڑانا، عوام میں فتنے اٹھانا، مسجدیں اور نمازیں الگ کرانا اور اسی طرح کے دیرینہ کردار کا ریکارڈ سروں پر لادے ہوئے ہمارے سیاسی و مذہبی اکابر " اتحاد اتحاد " کی پکار شروع کر رہے ہیں۔ اگر عوام کوچۂ سیاست میں صدا لگانے والے کسی بھی " اتحاد والے " کے سامنے اتحاد کا پچھلا فائل کھول کر رکھ دیں تو کیا وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے کارناموں کی وضاحت کر سکے گا۔ اساطینِ اتحاد نے اپنے ہی شرکائے اتحاد کے خلاف اتحاد کے زمانے میں اپنے خاص حلقوں میں، اور اتحاد کو تباہ کرنے کے بعد برسرِ عام ایسی معاندانہ افتراقی باتیں کہی ہیں جن کی طرف توجہ جائے تو اتحاد کی نئی کوششیں (باقی بر صفحہ ۴۷)